تابندہ نقوش

حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

شیخ التفسیر والحدیث عارف باللہ پیر طریقت
حضرت مولانا شمس الہادی صاحب شاہ منصوریؒ

ضلع صوابی جو کہ صوبہ سرحد کا خوبصورت اور زرخیز خطہ ہے اس سرزمین کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ اپنی زر اندوزی کے ساتھ ساتھ انتہائی مردم خیز قطعہ بھی ہے اور ہر دور میں اس بقعہ نور نے زندگی کے ہر میدان میں ایسی شخصیات اور نابغہ روزگار ہستیاں پیدا کیں ہیں کہ زمانہ اور اہل زمانہ ان کی نابغیت انکی محیر العقول اور حیرت انگیز کارناموں پر تاقیامت فخر کریں گے۔ بلاشبہ یہ زمین چشمک زن آفتاب و ماہتاب ہے کہ اس کی آغوش محبت میں ایسی ایسی ہستیاں پھلیں اور بڑھیں۔

یہ وہ خطہ ہے جس کی شان ہے رشک مہ و اختر
فلک والے بھی اس کی عظمتوں پر ناز کرتے ہیں

اسی تعلقہ میں مشہور قصبہ شاہ منصور ہے جو کہ سالہا سال سے علم وفضل تقویٰ وتدین تصوف وسلوک اور رشد و ہدایت و صدق وصفا کا گہوارہ چلا آ رہا ہے' بظاہر یہ چھوٹا قصبہ اپنی علمی وجاہت اور شان وشکوہ کی وجہ سے بڑے بڑے شہروں پر بھاری ہے۔ اسی قصبہ کی کوکھ نے ایسے نوابغ وقت جنم دیئے جن کا نام علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی تاریخ میں جلی عنوان سے رقم رہے گا۔ اور ان کی شخصیت آسمان رشد وہدایت پر نیر تاباں کی طرح چمکتی دمکتی رہے گی۔ ماضی قریب میں مشہور مفسر قرآن شیخ التفسیر والحدیث عارف باللہ استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالہادی صاحب قدس سرہ نے اپنی حیات مستعار کے پورے ۶۳ (تریسٹھ سال) حسبۃ للہ قرآنی علوم ومعارف اور سنتِ رسول ﷺ کے نور کو چاردانگ عالم میں پھیلانے میں گزارے۔ اس سے پہلے مشہور صاحب وجد وشوق بزرگ حضرت مولانا عبدالرازق صاحب قدس سرہ نے میکدہ علم و عرفان کو اپنے علم وفضل اور تصوف وسلوک کے مئے ناب سے پرُخمار رکھا اور آج تک اس خوش قسمت قصبہ کی علمی و روحانی رونقیں ماند نہ ہوئیں اور اسکی ضیاء پاشیوں میں دن بدن روز افزوں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ان نفوس قدسیہ کی انفاس کی روحانیت اب بھی اہل دل اس کی فضاؤں میں محسوس کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کس ساقی کے ہاتھوں یہ حضرات ایسے سیراب ہوئے ہیں کہ ان کا اثر تاہنوز جاری وساری ہے اور وہاں پر ہر سو روحانیت کی ایک روح پرور کیفیت طاری ہے۔ بقول خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ۔

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا　　جب مے یہ تو نے ظالم شیشے میں بھری ہوگی
جنت میں ملے گا وہ جس میں جسے راحت ہو　　ہم کو تو پسند اپنی شوریدہ سری ہوگی

ان برگزیدہ ہستیوں میں دو محترم برادران جن کو علمی دنیا اپنے علم و فضل، تقویٰ و تدین رشد و ہدایت اور زہد و تقویٰ و صدق و صفاء کی وجہ سے بطور تعظیم و تکریم شیخین مکرمین کہتے ہیں اور واقعتہً یہ دونوں عظیم ہستیاں اس باوقار لقب کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں شیخین کو جس جامعیت سے نوازا تھا، موجودہ زمانہ میں ایسی صفات کی حامل شخصیات بالکل خال خال نظر آتی ہیں۔ بلکہ خدا لگتی بات یہ ہے کہ ناپید ہیں اس لئے کہ ایک عالم فنون اور معقولیت میں تو ید طولیٰ رکھتا ہے۔ لیکن پھر حدیث اور دیگر منقولات میں ان کی وہ شان و شوکت نہیں ہوتی، اور دوسرا اگر علم تفسیر و حدیث میں ماہر ہے تو پھر معقولات میں ان کی وہ دقت نظر نہیں رہتی۔ اسی طرح اگر کسی کو علم شریعت ظاہرہ کا مکمل ادراک ہے تو تصوف و احسان سے نابلد ہے یا اگر وہ تصوف و احسان کے علم کا شہوار ہے تو علوم ظاہرہ میں اس کی وہ قوت نہیں۔ لیکن بحمد للہ شیخین مکرمین جامع شریعت و طریقت بھی تھے اور منقولات و معقولات میں ان کو یکساں طور پر مہارت تامہ حاصل تھی۔ ؎　یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا　　ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اللہ تعالیٰ نے دونوں بھائیوں کو حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت سے بھی نوازا تھا۔ ان کی جبینوں سے نور کے شعلے ٹپکتے تھے جو کوئی ان کو دیکھتا تو بے ساختہ اس کی زبان پر یہ آیت آتی۔ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم ان کے چہروں کی تابانیوں سے نظریں اور آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں۔ اللہ اللہ عجیب منظر ہوتا جب دونوں شیخین اکٹھے ہمسفر ہوتے یا راستے پر جاتے تو خلقت بے ساختہ ان کی تعظیم کے لئے کھڑی ہو جاتی تھی۔ سادگی بے تکلفی اور تصنع سے دوری ان ہر دو شیخین کا طرۂ امتیاز تھا ان پر قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں اور بزرگوں کا گمان ہوتا۔ گویا اسلاف کے کاروان سے بچھڑ کر پیچھے رہ گئے ہیں اور یہ ہماری سعادت مندی اور خوش بختی ہے کہ ان کے دیدار سے شرفیاب ہوئے، ان کے گفتار سے لطف اندوز ہوئے ان کے کردار میں ہم نے تخلقوا باخلاق اللہ کی عملی تصویر دیکھی

؎　آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر　　اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر　(اقبالؒ)

۱۹۷۶ء میں راقم دورۂ تفسیر قرآن کے لئے شاہ منصور گیا، وہاں پر مشہور زمانہ مفسر قرآن شیخ القرآن ولی کامل عارف باللہ حضرت مولانا عبدالہادی صاحب قدس سرہ رمضان المبارک میں دورۂ تفسیر پڑھاتے تھے۔ اور صوبہ سرحد و افغانستان سے کثیر تعداد میں طلبہ اس میں شرکت کرتے۔ صبح تفسیر شروع ہونے سے پہلے حضرت الشیخ مولانا شمس الہادی صاحبؒ علم میراث کی مشہور کتاب سراجی اور اس کے ساتھ قصیدہ بردہ شریف پڑھاتے تھے۔ ہمارے دورۂ تفسیر کے اکثر ساتھی اس درس میں باقاعدگی سے شرکت کرتے۔ بندہ چونکہ اسی مسجد (قاسم خیل میں رہائش پذیر تھا۔ تو مجھے آنے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ ہمارا خاص خیال رکھتے اور انتہائی شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہل محلہ

سے ہمارے اکرام اور راحت کے بارے میں تلقین فرماتے۔ دوسرے شیخ آپ کے برادر بزرگ حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب قدس سرہ سے ابھی تعارف نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ آپ اپنے گھر کے قریب اپنے محلہ کی مسجد میں نمازوں کی ادائیگی کیلئے اسی مسجد میں تشریف لے جاتے۔ رمضان کا مہینہ جب شروع ہوا تو شاہ منصور کے مشہور حافظ مولانا حافظ فضل دیان صاحبؒ جو کہ حضرت الشیخؒ کے سامنے دورۂ تفسیر کے دوران تلاوت کرتے اور ان کی خوبی یہ تھی کہ آپ کو حضرت الشیخؒ کی تفسیر بمع تمام تقدیرات‘ تقریرات‘ اشعار‘ لطائف‘ حکایات اور دیگر تحقیقی مباحث کے ساتھ ازبر تھی۔ حضرت الشیخؒ جب فرماتے کہ میں نے یہاں کون سا شعر پڑھا تھا تو حافظ صاحب فوراً اونچی آواز سے وہ شعر سناتے وہ عموماً فارسی کا شعر ہوتا۔ بہرحال آپ نے تراویح میں مصلّی سنانا شروع کیا۔ ختم قرآن کی رات حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب قدس سرہ تشریف لائے‘ گرمیوں کا موسم تھا۔ غالباً جون کا مہینہ تھا۔ تراویح کے بعد آپ نے انتہائی سادہ انداز میں تقریر شروع کی اور ازراہ تفنن فرمایا کہ آج کل گرمیوں (جیٹ اور ہاڑ) کے روزے ہیں‘ افطاری کے وقت روزہ دار لوگ روٹی نہیں کھاتے بلکہ پانی اور شربت گلاسوں کے گلاس انڈیل دیتے ہیں پھر ان میں اٹھنے بیٹھنے کی سکت نہیں رہتی۔ یہ تو اللہ کا فضل واحسان ہے کہ تراویح کی شکل میں اس کے لئے اللہ نے ہاضوم پیدا کیا۔ دعا کے بعد حضرت الشیخؒ نے اپنے بھائی کے ساتھ بندہ کا تعارف کرایا۔ آپ نے والد صاحب قدس سرہ کی خیریت دریافت کی اور دعاؤں سے نوازا۔

حضرت الشیخؒ اور ان کے برادر بزرگ دونوں شیخین برادران صاحب حق صاحب زروبی مولانا حبیب اللہ صاحبؒ والد گرامی قدر حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے۔ اور یہ دونوں بھائی زروبی میں راقم کے ماموں حضرت علامہ عبدالوحید قاسمیؒ فاضل دیوبند کے محلہ کی مسجد میں قیام پذیر تھے‘ وہ بھی حضرت صاحب حق صاحبؒ کے شاگرد تھے۔ آپ کا انتقال ۱۹۶۹ء میں ہوا تھا۔ آپ اکثر ان کا تذکرہ کرتے اور فرماتے کہ اللہ نے غضب کا حافظہ اور ذہن ان کو عطا فرمایا تھا۔

آپ کی تقریر انتہائی دلنشین ہوتی‘ باوجود یہ کہ آپ پیشہ ور خطیب یا مقرر نہ تھے بلکہ جس انداز سے آپ طلبہ کو درس دیا کرتے تھے اسی اسلوب میں تقریر فرماتے۔ لیکن انکا خطاب اتنا اثر آفریں اور سحر انگیز ہوتا کہ دو دو ڈھائی گھنٹے آپ تقریر فرماتے۔ لیکن سامعین میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے ہلنے کی جرات نہ کرتا وہ ہمہ تن گوش رہتے اور انتہائی محویت اور یکسوئی کے ساتھ آپ کے ارشادات سے مستفید ہوتے۔ حالانکہ آپ نہ خوش آواز تھے اور نہ اونچی آواز میں پرجوش انداز میں تقریر فرماتے بلکہ انتہائی وقار ومتانت اور سنجیدگی کے ساتھ سامعین سے مخاطب ہوتے۔

ایک دفعہ تفسیر قرآن کے ختم کے سلسلے میں ہمارے گاؤں زروبی تشریف لائے تھے‘ نماز عشاء کے بعد آپ نے تقریر شروع کی۔ ڈھائی گھنٹے تک آپ نے ایسا عظیم الشان پرمغز بلکہ سادہ انداز میں خطاب فرمایا کہ حاضرین میں

سے کسی نے بھی جانے کی یا اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک تو آپ کا اپنا مخصوص انداز دوسرا آپ کا ملکوتی رنگ فرشتہ نما صورت، گویا آسمانی مخلوق زمین پر اتر آئی ہے خطاب کے اختتام پر آپ نے حاضرین کو مختلف وظائف اوراذکار کی بھی تلقین کی۔ ایک صاحب نے راقم کو کہا کہ حضرت نے اتنی جلدی اپنی تقریر کیوں ختم کی۔ بندہ نے ان کو کہا کہ وہ بیچارہ کمزور اور بیمار ہے اور اسی حالت میں آپ نے ڈھائی گھنٹہ تقریر کی اور کیا چاہتے ہو۔ اس نے کہا اچھا۔ ہمیں تو احساس تک نہیں ہوا ہے۔

قصیدہ بردہ شریف کے اختتام پر ہم شرکاء درس کو فرمایا کہ قصیدہ بردہ شریف میں دو شعر ایسے ہیں جو کہ اس کے بادشاہ اور وزیر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ شعر ہے

هوا لحبيب الذي ترجى شفاعته   لكل هول من الاهوال مقتحم

جاء ت لدعوته الاشجار ساجدة   تمشى اليه علىٰ ساق بلاقدم

اسی طرح اور بھی بہت سے وظائف اوراذکار سے نوازا۔

آپ انتہائی بامروت اور جی دار انسان تھے۔ ہم جیسے طفلان مکتب کی بھی انتہائی قدر کرتے۔ ایک دفعہ ایک فاضل کی دستار بندی کے سلسلے میں ہم آپ کے بھائی مولانا فضل الٰہی صاحبؒ کے پاس گئے اور ان کو دستار بندی میں شرکت کی دعوت دی۔ آپ نے دعوت قبول فرمائی۔ جبکہ حضرت الشیخؒ نے عذر پیش کیا کہ میں بیمار ہوں اور ضعف بھی ہے۔ اس لئے میں باوجود اس مبارک تقریب میں شرکت کی تمنا کے شریک نہیں ہوسکتا۔ جب ہم مقررہ تاریخ پر مولانا فضل الٰہی صاحب کے پاس گئے اور ان کو ساتھ جانے کے لئے کہا تو اتفاقاً ان کی بھی طبیعت ناساز تھی، انہوں نے بھی فرمایا کہ خدا کی شان میں نے وعدہ کیا تھا، لیکن اب میری حالت آپ دیکھ رہے ہیں ہم بہت پریشان ہوئے۔ اتنے میں نماز عصر کا وقت ہوا ہم نماز کیلئے مسجد گئے۔ نماز کے بعد حضرت الشیخؒ سے ملاقات کی۔ انہوں نے خیریت دریافت کی۔ پھر فرمایا: کیسے آنا ہوا۔ ہم نے عرض کیا کہ چند دن پہلے جو ہم حاضر خدمت ہوئے تھے دستار بندی کی دعوت کے سلسلے میں اس بارے میں مولانا فضل الٰہی صاحب کے پاس آئے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ کہاں ہیں ہم نے عرض کیا۔ حضرت وہ بیمار ہیں اور ہمارے ساتھ جانے سے قاصر ہیں آپ نے فرمایا اچھا اور انتہائی افسوس کا اظہار کیا پھر ایک منٹ توقف کے بعد اپنے برخوردار، مولانا اعزاز الحق کو فرمایا کہ جاؤ گھر سے میری چادر اور عصا لے آؤ۔ اور فرمایا کہ یہ تو بُری بات ہے میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ ہم نے عرض کیا حضرت آپ نے تو عذر کیا ہے آپ کو تکلیف ہوگی آپ تشریف نہ لے جائیں، مگر ہمارے اصرار کے باوجود آپ ہمارے ساتھ تشریف لے گئے۔ اور اس تقریب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا۔

آپ کے لائق وفائق اور قابل فخر فرزند مفتی اعظم یورپ وجنوبی افریقہ برادرم مولانا مفتی رضاء الحق صاحب

مدظلہ جنوبی افریقہ سے شعبان ورمضان کی چھٹیوں میں تشریف لاتے ہیں تو اکثر ان کے ساتھ ملاقات کیلئے شاہ منصور جانا ہوتا ہے۔ اس دوران آپ سے ملاقات بھی ہوجاتی۔ اگرچہ آپ گھٹنوں کی تکلیف میں مبتلا تھے اور ویل چیئر کے ذریعہ انکو اپنی بیٹھک تک لایا جاتا۔ اکثر جب ہم وہاں جاتے تو آپ بیٹھک سے گھر تشریف لے جاچکے ہوتے۔ لیکن جب ان کو ہماری آمد کی اطلاع ملتی تو برخورداران کو فرماتے کہ مجھے دوبارہ بیٹھک لے جائیں۔ اور یوں ہمیں شرف ملاقات سے نوازتے۔ ہمارے ساتھ اپنے شاہی دسترخوان پر تناول طعام میں شرکت فرماتے۔

ایسے اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ فرماتے کہ ہم کو ان کی تکلیف پر ایک قسم کی ندامت کا احساس ہوتا' پھر جس محبت بھرے لہجہ میں بچوں' اور گھر کی خیریت دریافت فرماتے اس میں اتنی محبت اتنی اپنائیت اور اتنا والہانہ پن ہوتا کہ الفاظ ان کے بیان سے قاصر ہیں۔

تلامذہ اور عقیدت مندوں کی دلجوئی کے لئے کبھی کبھی ہلکا پھلکا مزاح بھی سنت نبوی علی صاحبہا الف الف تحیۃ کے مطابق فرمایا کرتے تھے۔ برادرم محترم مولانا فضل علی حقانی سابق وزیر تعلیم صوبہ سرحد کی ہمشیرہ کی وفات کے موقع پر راقم استاذ مکرم حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ہمراہ نماز جنازہ میں شرکت کیلئے زروبی ضلع صوابی گئے۔ واپسی پر حضرت الاستاذ مدظلہ نے فرمایا کہ زیدہ کے راستے شاہ منصور جائیں گے وہاں پر صاحب حق صاحب یعنی حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب بیمار ہیں انکی عیادت اور تیمارداری کریں گے' کیونکہ ۲۰۰۲ء میں آپ کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ چنانچہ مغرب کی نماز کے بعد ہم انکے در دولت پر حاضر ہوئے۔ اس وقت سردیوں کا موسم تھا۔ آپ اپنے کمرے میں نماز سے فارغ ہوئے تھے۔ ہم جب وہاں ان کے پاس گئے تو انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا۔ حضرت الاستاذ مدظلہ نے آپ سے استفسار کیا کہ آپ کی ٹانگ کیسے ٹوٹ گئی تو اپنے مخصوص لہجہ اور سادہ زبان میں فرمانے لگے کہ صاحب (صاحبہ) سحری کے وقت تہجد کے لئے اٹھا' اور یہ مصلّٰی میری چارپائی کے قریب ہی میرے لئے گھروالوں نے بچھا رکھا ہے۔ چارپائی سے نیچے اترا اور مصلّٰی پر کھڑا ہوا کہ سر چکرا گیا اور زمین پر گر پڑا۔ اسی طرح پاؤں ٹوٹ گئی' خدا کی شان ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ جب میری ٹانگ ٹوٹ گئی' چند دن ہسپتال میں زیر علاج رہا تو بعض طلبہ نے میرے بھائی مولانا شمس الہادی سے کہا کہ اب تو صاحب حق صاحب بیمار ہوگئے۔ ان کے اسباق اور کتابوں کی کیا صورت ہوگی۔ تو میرے بھائی نے ان کو ازراہ مزاح متبسمانہ لہجے میں کہا کہ آپ کے پاؤں میں تکلیف ہے' کتابیں اور درس تو آپ منہ اور زبان سے دیتے ہیں' وہ تو صحیح ہیں۔ اس پر خود بھی زیر لب مسکراتے رہے۔ راستے میں استاذ محترم آپ کی ان سادہ اور بے تکلفانہ باتوں کو دہراتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ حضرت الشیخ مولانا شمس الہادی صاحبؒ اپنے تلامذہ اور معتقدین کیساتھ خطابت اور تقریر کیلئے اکثر جایا کرتے تھے' وہ کسی کو باوجود ضعف ونقاہت کے انکار نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب شدید

بیماری نہ ہوتی اور یہ اس وجہ سے کہ آپ میں وعظ و نصیحت اور مخلوق خدا کی بھلائی کا جذبہ کوٹ کوٹ کا بھرا ہوا تھا' آپ اس بات پر حریص تھے کہ تمام انسان بھلائی اور نیکی کی طرف راغب ہوں' تا کہ معاشرہ میں فتنہ وفساد برپا نہ ہو۔ خطبات اور تقاریر کا شعبہ حضرت الشیخ نے سنبھال رکھا تھا جبکہ آپکے برادر بزرگ مولانا فضل الٰہی صاحب قدس سرہ اختتامی دعا فرماتے۔ آپکی دعا میں عجیب تاثیر ہوتی۔ ایک دفعہ دونوں شیخین برادران ہمارے گاؤں زروبی تشریف لائے تھے۔ حضرت الشیخ نے خطاب فرمایا۔ اسکے بعد اکثر سامعین کے اصرار پر راقم نے مولانا فضل الٰہی سے عرض کیا کہ حضرت یہ سامعین دعا سے پہلے آپکے ارشادات عالیہ سننے کے متمنی ہیں تو فرمایا' تقریر تو شمس الہادی نے بہت بہترین فرمائی اس کے بعد میرے لئے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں۔ ہم سمجھ گئے کہ آپ تقریر سے اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں لیکن ہم نے بھی ان کو باصرار کہا' جس پر حضرت الشیخؒ نے آپ سے فرمایا کہ جب یہ لوگ اتنا اصرار کررہے ہیں تو چند باتیں آپ فرمائیں۔ ان حاضرین کی تسلی ہوجائے گی۔ چنانچہ آپ نے ذکرواذکار کی اہمیت اور تعلق مع اللہ کے متعلق تقریبا ۳۵ر۴۰ منٹ تک انتہائی خوبصورت لفظوں میں خطاب فرمایا۔ جس پر حاضرین بھی بہت خوش ہوئے۔ حضرت الشیخ بھی بہت محظوظ ہوئے' ان سے فرمایا کہ آپ نے کیسی دلنشین اور خوبصورت باتیں فرمائیں' ویسے آپ انکار کیا کرتے تھے۔

عشق رسول ﷺ آپ کی روح کی غذا تھا۔ حجاز مقدس مہبط جبرئیل امین کے تذکرہ پر آپ کے چہرہ اقدس کی نورانیت مزید نکھر جاتی۔ سیرت کے جلسوں میں بڑے ذوق وشوق سے شرکت فرماتے اور سینوں میں عشق رسول ﷺ کی چنگاری کو ہوا دیتے۔ آپ ہر قسم کے تعصبات' کینہ توزی اور حسد جیسی موذی روحانی امراض سے مبرا تھے' جبکہ آج کل یہ امراض عوام تو کجا خواص بھی اس میں بری طرح گرفتار ہیں۔ لیکن آپ ان آلائشوں سے کوسوں دور تھے۔ ان کا مسلک بقول کسے یہ تھا۔ کہ

ے آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن در مذہب مانیست بہ کس کینہ داشتن

خودنمائی' خود پسندی عجب وتکبر کے الفاظ وہ جانتے تک نہ تھے' آپ کی اپنی ایک روحانی دنیا تھی اور ایک علیحدہ نرالہ جہاں کیف ووجد اور عالم مستی وجذب تھا' جس کی سیر میں آپ روز وشب اور صبح ومسا منہمک رہتے۔ وہ من کی دنیا کا باسی۔ تھا ع اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی

وہ واقف سر شریعت راز دان و رمز آشنائے حقیقت وطریقت تھے اور یہ خبر اور نظر آپ کو اپنے مشائخ طریقت شیخ عبدالغفور عباسی مدنی اور آپ کے اجل خلفاء سے ورثہ میں ملی تھی۔ علامہ اقبال کے ان فارسی اشعار کے پس منظر میں آپ کا مقام جلوہ آرا اور واضح وآشکارا ہوجاتا ہے' فرماتے ہیں

سر دین مار اخبر او را نظر او درون خانہ ما بیرون در

ما کلیسا دوست ما مسجد فروش او ز دست مصطفیٰ پیمانہ نوش

چونکہ آپ ایک ولی کامل ایک صوفی صافی تھے' درد اور سوز وساز سے آپ کا سینہ بے کینہ ماموروممعور تھا' اس لئے آپ بہترین ذوق شعر کے مالک تھے۔ اور وقتاً فارسی عربی اور اردو وپشتو کے اشعار حسب حال وموقع سناتے۔ فارسی میں زیادہ تر رومیؒ ' جامیؒ ' سعدیؒ اور حافظؒ و بیدلؒ کے اشعار سناتے اور کبھی کبھی ان اشعار کی تشریح بھی عارفانہ انداز اور تصوفانہ رنگ میں فرماتے' جس سے دل ودماغ کے بند دریچے کھل جاتے' اور ذوق ووجدان کے غنچے کھل اٹھتے۔

راقم کے ایک لبنانی دوست نے ہمارے علاقائی علماء سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ تو ایک دن ہم آپ سے ملاقات کے لئے ان کے ہمراہ شاہ منصور چلے گئے۔ حضرت الشیخؒ نے انتہائی شفقت کا مظاہرہ فرمایا اور باوجود ضعف وبیماری کے بیٹھک تشریف لائے اور ہمارے ساتھ تصوف اور اپنے مشائخ کے متعلق ارشادات فرماتے رہے۔ ۱۴۲۹ھ میں رمضان کے مہینے میں بندہ نے اپنے قابل فخر اور ہونہار شاگرد مولانا مفتی امیر زمان حقانی' مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اٹک شہر کو ساتھ لیا اور آپ کے قابل فخر ولائق وفائق فرزند مفتی اعظم یورپ وجنوبی افریقہ مولانا رضاء الحق صاحب مدظلہ کی ملاقات کیلئے شاہ منصور گئے۔ وہاں پر حضرت الشیخؒ اپنی مسجد میں معتکف تھے۔ ان کے پاس بھی دعا کی درخواست لئے ملاقات کیلئے گئے۔ بندہ نے اپنے ساتھ اوراد اور وظائف کا ایک چھوٹا کتابچہ بنام فیوضات غفوریہ لیا تھا تاکہ آپ سے اس کتابچے کے اوراد کی اجازت لے لوں' چنانچہ جب ان کو وہ کتابچہ دکھایا' اس کو لے لیا اور انتہائی ذوق وشوق اور محبت وعقیدت سے اسکی ورق گردانی کرتے رہے پھر فرمایا کہ یہ کتابچہ آپ کو کہاں سے ملا ہے' بندہ نے عرض کیا' ایک ساتھی نے تحفہ دیا ہے بندہ سمجھ گیا کہ حضرت الشیخؒ کو یہ کتابچہ پسند آیا ہے' چنانچہ بندہ نے وہ کتابچہ ان کو تحفہ میں دیا۔ آپ نے فرمایا آپ پھر کیا کریں گے۔ بندہ نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور نسخہ بھی موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے بہت خندہ پیشانی سے اس کے اوراد کی اجازت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ یا لطیف کا ورد بہت ہی کامیاب چیز ہے' تو بندہ نے عرض کیا کہ میں نے اسکا ختم اسی ترتیب سے کیا ہے کہ پہلے **لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء وھو القوی العزیز** اور **ان ربی لطیف لمن یشاء** اور **الایعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر**

پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد ۱۲۹ مرتبہ جو کہ ابجد کے حساب سے لطیف اسم کی قیمت ہے پڑھتا ہوں اور یہ عمل میں نے ۱۲۹ مرتبہ کیا ہے اس طرح اس کی تعداد ساڑھے سولہ ہزار تقریباً بنتی ہے اس پر آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور پھر ہم نے آپ سے دعا کی درخواست کی اور دست بوسی کرتے ہوئے آپ سے رخصت ہوئے کیا خبر تھی کہ یہ ہماری آپ کے ساتھ الوداعی ملاقات ہوگی۔

کل اس کی آنکھ نے کیا زندہ گفتگو کی تھی گماں تک نہ ہوا وہ بچھڑنے والا ہے

انضباط اوقات میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اپنے مقرر کردہ نظام الاوقات سے سرِ مو بھی انحراف نہیں

فرماتے تھے۔ البتہ بعض طبعی اور فطری مجبوریاں اس سے مستثنیٰ تھیں' یہی وجہ ہے کہ آپ کے اوقات میں برکت تھی' اور تن تنہا بخاری شریف' مسلم شریف اور ترمذی شریف پڑھانے اور جمادی الثانیہ کے آخر میں پھر آپ کی تقریب ختم بخاری شریف اور دستار بندی منعقد ہوتی۔ اس کے لئے کوئی تشہیری مہم نہیں چلائی جاتی' لیکن پھر بھی اس موقع پر ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوتا ہے اور قرب و جوار کے علماء وصلحاء اور فضلاء کے علاوہ کثیر تعداد میں عوام الناس بھی شرکت کرتے ہیں۔ وہ منظر قابل دید ہوتا۔ جب آپ اپنی نشست پر براجمان ہوتے اور ہزاروں کی تعداد میں مجمع آپ کی طرف متوجہ ہوتا اور آپ کے دیدار پرانوار سے اپنی آنکھیں اور نظریں سیراب کرتے۔

آہ ! ع اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون؟

میرے والد محترم امام المتکلمین صدر المدرسین علامہ عبدالحلیم صاحب قدس سرہ کے ساتھ آپ دونوں شیخین کریمین کا انتہائی قریبی تعلق رہا۔ جب کبھی عندالملاقات آپ کا تذکرہ چھڑتا تو دونوں حضرات باری باری آپ کی علمیت وعبقریت کے بارے میں اپنے والہانہ اور مخلصانہ تاثرات کا اظہار فرماتے۔ ایک دفعہ آں محترم کا تذکرہ جاری تھا' بہت دیر تک آپ کی علمی شان پر مختلف زاویوں سے دونوں شیخین بحث میں مصروف تھے' جب کافی دیر گزر گئی تو حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب قدس سرہ نے بحث کو سمیٹتے ہوئے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا۔

تر کومه به مونگه دهغوئی و علمیت خبرے کوو. صدر صیب خوبس صدر صیب وو. دهغهِ په شان خو اُس سوک نه شی پیدا کیدے .هغه خویو جامع عالم وو. پخے او کوټلے خبرے به ئے کولے. لوئے لوئے باریکے او غټے غټے مسئلے به ئے په مختصر و الفاظو کے حل کولے .او د غټو مسئلونه په مختصر واؤ جامع الفاظ کے تعبیر د قوی علم علامه ده.

یعنی ہم کہاں تک ان کی علمیت کے بارے میں بات کریں گے۔ صدر صاحب تو بس صدر صاحب تھے' ان کی طرح اب کوئی پیدا نہیں ہوسکتا۔ وہ بہت بڑے جامع عالم تھے' بہت ہی پختہ اور مضبوط باتیں فرمایا کرتے تھے۔ بڑے اہم اور دقیق مسائل مختصر الفاظ میں حل فرمایا کرتے اور بڑے مہتم بالشان مسائل سے مختصر مگر جامع الفاظ میں تعبیر فرماتے۔ یہ قوی اور مضبوط عالم کی نشانی ہے۔

حضرت الشیخ کے ساتھ خلق خدا کی محبت اور عقیدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ جن میں اہل علم کے ساتھ ساتھ عوام الناس کا ایک فوج ظفر موج بھی امڈ آیا تھا۔ تاحد نگاہ انسانوں کے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ اور ہر شخص آپ کے دیدار کے لئے بیتاب تھا۔ لیکن اژدھام کی وجہ سے ایسا ممکن نہ تھا۔ اس موقعہ پر استاذ محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے غمزدہ الفاظ میں مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا کہ یہ علماء ربانیین اور علماء حقانیین کی شان ہوتی ہے کہ ان کے جنازوں میں خواص وعوام کا ہجوم

ہوتا ہے اور یہ ان کی مقبولیت کی بہت بڑی دلیل اور واضح مثال ہے اور مسلک حق سے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے جنائز اسی طرح ہوتے ہیں۔ کس شان کے ساتھ آپ کا جنازہ دوش عظمت پر سوار جا رہا تھا۔ پھر آپ کو اپنے آبائی قبرستان میں اپنے برادر بزرگ مولانا فضل الٰہی قدس سرہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

مٹی میں کیا سمجھ کے چھپاتے ہو دوستو　　گنجینہ علوم ہے یہ گنج زر نہیں

جس طرح کہ یہ دونوں شیخین زندگی میں ہم پیالہ و ہم نوالہ تھے' اکٹھے درس و تدریس کرتے اکٹھے وعظ و نصیحت کے لئے مجالس اور جلسوں میں شرکت کرتے' اسی طرح بعد از وفات بھی ایک ساتھ مدفون ہیں۔ اب بھی ان سطور کے لکھتے وقت راقم کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گردش کر رہا ہے جب حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب قدس سرہ ۲۰ رمضان المبارک بمطابق ۱۵ رنومبر ۲۰۰۳ء کو رحلت فرما گئے تھے۔ جب آپ کا جنازہ جنازہ گاہ میں رکھا گیا تو حضرت الشیخ رحمۃ اللہ نے آبدیدہ آنکھوں سے اپنے محبوب اور مجذوب برادر بزرگ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ان کے ساتھ مخاطب تھے' لیکن حاضرین کی کثرت اور محراب سے دوری کی وجہ سے بندہ آپ کے کلمات مبارکہ نہ سن سکا۔ غالباً یہی کہا ہوگا کہ بقول اقبالؒ

نہیں بیگانگی اچھی رفیق راہ منزل سے　　ٹھہر جا اے شرر ہم بھی تو آخر مٹنے والے ہیں

ایک طرف نہ صرف ہمیں بلکہ تمام علمی دنیا اور عالم روحانیت کو آپ کی جدائی پر افسوس ہے اور آپ کی وفات پر ہر شخص ماتم کناں ہے اور چار سو غم واندوہ کی فضا چھائی ہوئی ہے اور کیوں نہ ہو ایسی عظیم ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوا کرتی ہیں۔ پھر اس قحط الرجال میں یہ صدمہ اور بھی گہرا ہو جاتا ہے۔ لیکن مقام تشکر و امتنان ہے کہ آپ کے پسماندگان نے اس میکدہ علم وعرفان مکتب درس و تدریس اور میخانہ عشق و مستی کو ویران ہونے نہیں دیا۔ آج آپ کے بڑے فرزند نے جنوبی افریقہ اور ظلمت کدہ یورپ کو اپنی علمی و تحقیقی ضیاء باریوں اور ضوٗ افشانیوں سے منور کیا ہے۔ دوسری طرف دیگر فرزندان نے آپ کے قائم منبع علم وعرفان کو خشک نہیں ہونے دیا۔ اور انہوں نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصوف اور سلوک و احسان کے میکدے کو بھی آباد رکھا ہے۔ اور یہ امر بھی خوش آئند ہے کہ برادرم حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ رمضان شریف میں اپنے عظیم والد مرحوم کے طریقہ کو زندہ رکھتے ہوئے سراجی اور قصیدہ بردہ شریف طلبہ دورۂ تفسیر وفنون کو پڑھاتے ہیں' یقیناً یہ حضرت الشیخؒ کے لئے بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے آپ کے فرزندان کے اس عمل سے آپ کی روح پرفتوح مزار مبارک میں خوش وخرم ہوگی۔

حضرات شیخین کریمین نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک مکتب درس و تدریس کو آباد رکھا تھا' اور ان ہر دو حضرات کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ماشاءاللہ دونوں برادران علوم اور فنون کے جامع تھے' ہر علم اور ہر فن کی کتابیں آپ حضرات کی زیر تدریس رہیں' اسی طرح وعظ وارشاد اور اپنے مواعظ حسنہ سے ایک عالم کو انہوں نے

مستفیض فرمایا' ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ حضرات کے علمی افادات مختلف کتابوں پر آپ کے دروس وآمالی اور مواعظ و خطبات یکجا کئے جائیں اور آپ کے علمی مآثر محفوظ ہوجائیں تاکہ آنے والی نسلیں اس سے مستفید ہوسکیں۔ بحمد للہ آپ کے فرزندان بالخصوص حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ سے یہ توقع ہے کہ وہ اس پہلو پر بھی غور فرماویں گے۔ بلاشبہ یہ ایک بہت ہی مشقت طلب اور محنت طلب کام ہے۔ لیکن ہمت مرداں مدد خدا کے مصداق ان شاءاللہ ان مرحومین کی کرامات کے طفیل یہ کام بھی پایہ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔

آخر میں اپنی یہ بے ربط یاداشتیں ان ٹوٹے پھوٹے رثائیہ اشعار پر سمیٹ رہا ہوں تاکہ محزون دل اور غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے جگر کو کچھ تسکین حاصل ہوجائے۔

اے ہمارے شیخ اعظم شیخ کامل الوداع　　صاحب ایقان وعرفاں صاحب دل الوداع
نیز گردون تقویٰ شاہ ہفت اقلیم علم　　تاج ملک معرفت کے ہائے حامل الوداع
واسطے ہے وا ترے باب مقامات سلوک　　کردیئے ہیں تونے طے کیا کیا منازل الوداع
پیکر صبر و قناعت جسم تسلیم و رضا　　جامع شرع وطریق اے خوش خصائل الوداع
کس خرام ناز سے ہے جانب خلد بریں　　سوئے علیین رواں ہے ایک فاضل الوداع
سرگردہ عالمانِ دین قسیم السلام　　اے زعیم ملت و جمع الفضائل الوداع
آپ کی فرقت پہ گریاں یہ جہانِ وجد وکیف　　تیری ہجرت باعث صد ہا مشاکل الوداع
رو رہی ہے علمی دنیا آج باخونِ جگر　　نیم جان و نیم تن ہیں تیرے بسمل الوداع
نالہ ریزاں ہیں چمن میں عندلیبان وہزار　　نوحہ زن ہیں اُف گلستاں میں بلابل الوداع
عالم رشد و ہدایت پر ہے اب طاری سکوت　　زہد وتقویٰ لطف واحساں کے اے حاصل الوداع
جن مجالس میں ملاکرتی تھی دل کو تازگی　　سونی سونی ہیں خدا یا وہ محافل الوداع
غرق دریائے الم ہے عالم سوز و گداز　　اب نظر آتا نہیں ہے کوئی ساحل الوداع
یہ عظیم الشاں جنازہ تیری عظمت کی دلیل　　جس میں نورانی تھی اک مخلوق شامل الوداع
تیری شمع رخ پہ ہوتے تھے جو پروانے نثار　　کس طرف ہوجائیں دیوانے وہ مائل الوداع

حسن سیرت اور صورت آپ پر فانی تمام
ہوگئے خلد آشیاں نوری شمائل الوداع